بحث و نظر

مصارفِ زکٰوۃ

اور

عصرِ حاضر (اکیسویں صدی عیسوی) میں

مصالح اُمّتِ محمدیؐ

علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے دعوتِ فکر

© rasailojaraid

تحریر: انجینئر مختار حسین فاروقی

تمہید:

زکوٰۃ کے مسئلے پر یہ تحریر دراصل اس ردّ و قدح کا حصہ ہے جو اِس دَور میں زکوٰۃ کی ادائیگی اور اِس کے استعمال کے سلسلے میں دینی اور مذہبی اداروں میں لفظ ''فی سبیل اللہ'' کی تشریح میں پیدا ہوئی ہے۔ ضمناً اس گفتگو میں مسئلۂ تملیک جیسا اہم مسئلہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

ذرا تفصیل سے دیکھیں تو قطع نظر اِس کے کہ دیگر دینی اداروں میں یہ بحث کہاں سے شروع ہو کر اب کس مرحلے میں ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے معاملے میں اطمینانِ قلبی کے لئے کیا پیمانہ بنایا گیا ہے' انجمن خدام القرآن سندھ کراچی (رجسٹرڈ) میں زکوٰۃ کے استعمال سے متعلق دو ساتھیوں جناب راشد یار صاحب اور عمران صاحب نے اپنے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ سرپرست انجمن جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے افہام و تفہیم کی کوشش فرمائی مگر بات نتیجہ خیز نہ ہوئی۔

اس بحث و تمحیص میں دو تین سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ چند دیگر اہل علم نے بھی اس سلسلے میں علماء اور اہل بصیرت کی آراء کے حوالے سے بیش قیمت معلومات دی ہیں' مگر تا حال

© rasailojaraid

ہمارے دو مذکورہ ساتھیوں اور اُن جیسی سوچ کے حامل دیگر رفقاء واحباب کی تشفی نہیں ہو سکی' بلکہ اُن کے اضطراب میں اضافہ ہوا ہے اور ان ساتھیوں کی حالیہ (۷رفروری ۲۰۰۴ء کی) فراہم کردہ تحریروں میں تنظیم اسلامی کے لٹریچر اور بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریروں کے حوالوں سے اپنے موقف کو مزید مدلل و مؤکد کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دریں صورتِ حال اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ مقصد کی وضاحت اور شریعت کا منشا سمجھنے کی مزید کوشش کی جائے' تاکہ حق واضح ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی طرف رہنمائی فرمائے اور اس پر چلنے اور ڈٹے رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

یہ بات بھی یہیں آپ کے علم میں آ جائے تو اچھا ہے کہ راقم ہرگز اس بات کا مدعی نہیں کہ وہ اس قضیئے میں ثالث یا حتمی فیصلہ دینے کی حیثیت کا مالک ہے یا کوئی بیچ کا راستہ تلاش کرنے کا متمنی ہے کہ فریقین میں مصالحت کی کوئی شکل پیدا ہو جائے' بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ استدلال کو جانچا جائے اور اس کے مختلف سماجی' معاشرتی' تاریخی اور شرعی پہلو بیک وقت سامنے رکھ دیئے جائیں تاکہ اہل علم ہر گوشے کو سامنے رکھ کر صحیح فیصلے تک پہنچ سکیں۔

ان سطور میں جو نقشہ حالات واحوال کا ماضی حال اور مستقبل کے بارے میں دائرہ تحریر میں لایا گیا ہے وہ کوئی جامع و مانع شے نہیں ہے' بلکہ اس ضمن میں ایک بھرپور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے' اسے موجب خیر بنائے' ہم سب کو حق پر جمع کر دے' اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال کر دے اور اسی کا علمبردار بنائے۔ آمین!

خلاصۂ تحریر (Synopsis):

اس مضمون اور تحریر میں درج دلائل اور حاصلِ کلام کا ایک خلاصہ اس حصے میں درج کیا جا رہا ہے' تاکہ قاری کو پہلے سے اندازہ ہو جائے کہ اس تحریر میں دلائل اور گفتگو کا انداز پھیل کر کس نکتے پر دوبارہ سمٹنے والا ہے' تاکہ جو پڑھنے والا اس تحریر کو مزید پڑھنے سے دلچسپی رکھتا ہو وہی مزید وقت لگا کر اس طرزِ استدلال کو سمجھے اور صحیح اور غلط کا اندازہ کر سکے۔ اور جو قاری پہلے سے اپنی کسی رائے پر جازم ہے اور اس کے خلاف کچھ پڑھنے یا سننے پر تیار ہی نہیں ہے وہ یہیں رک جائے اور اپنا قیمتی وقت اور صلاحیتیں کسی اور اعلیٰ کام کے لئے محفوظ رکھے۔

راقم کے نزدیک اس مسئلے پر جو کچھ گفتگو اور ردّ وقدح حالیہ عرصے میں انجمن اور تنظیم کے پلیٹ فارم پر ہوئی ہے یا دیگر کتب اور فتاویٰ میں عام طور پر موجود ہے اس میں مختلف

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co

اشخاص اور مفتی حضرات نے اس مسئلے پر مختلف النوع مخصوص حالات میں رائے دی ہے اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا ہے۔ جدید اصطلاح میں اسے Different Planes پر بات کرنا کہتے ہیں' اور مختلف پس منظر میں دیئے گئے فتاویٰ کو گہرے غور و فکر کے بعد یکسر مختلف حالات پر منطبق کر دینا اہل علم کے شایانِ شان نہیں۔ ہماری منطق کی اصطلاح میں اسے قیاس مع الفارق یا خلط مبحث کا نام دیا جاتا ہے۔

ان سطور میں اس پس منظر اور صورتِ مسئلہ کی کافی حد تک وضاحت کی کوشش کی گئی ہے اور قرآن مجید اور حدیث مبارکہ کے دلائل کے ساتھ ساتھ اجماعِ اُمت کا بھی صحیح محل اور مقام سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کے نزدیک موجودہ ظروف و احوال میں ہمارے علمائے دینِ متین اور مفتیانِ عظام اگر حالات اور واقعات کا معروضی جائزہ لیں اور دین اسلام کی کیفیت' اعدائے اسلام کی سازشیں اُن کے بے پناہ وسائل' فقراء اور مساکین کی کیفیات' تقاضے اور اس ضمن میں حکومتوں کی ذمہ داریاں اور زکوٰۃ (جیسے فرض) کی ادائیگی کے لئے مرکزی اجتماعی نظام کی عدم موجودگی جیسے دیگر ناگزیر پیش آمدہ حالات اور یکسر مختلف صورتِ حال کو پیش نظر رکھ کر صرف مفتیٰ بہٖ قول (اور وہ بھی ''مُلْکًا عَاضًّا'' کے دور کا) نقل کر کے بھیج دینے کو کافی نہ سمجھیں تو مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ وہ بھی اسی رائے تک پہنچیں گے کہ موجودہ دَور کے دین سے دور عوام کے مسائل کو حکومتوں کے بے پناہ وسائل پر چھوڑ کر 'صدقات' کی اس آمدنی کو اسلام کی بقا اور نشاۃِ ثانیہ کے لئے کام کرنے والے اداروں اور اُن سے وابستہ اور ملحق افراد کی ضروریات کی کفالت تک محدود کر دینا چاہئے۔

اس تحریر کے ذریعے راقم نے اس بات کو مبرہن کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو قارئین کرام اب آئندہ صفحات کا مطالعہ کر کے ہی فیصلہ کریں گے کہ اس مقصد میں کس قدر کامیابی ہوئی بھی ہے یا نہیں۔ تاہم یہ عرض کئے بغیر چارہ نہیں کہ مقصود سوائے اس کے کچھ نہیں کہ۔

بیا تا کارِ ایں اُمت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم!

اور جب تک علمائے حق اس بات پر متفق نہ ہوں کہ غرباء اور مساکین عوام کے لئے تو شاید

© rasailojaraid.co

امریکہ اور دجال کی طرف سے امداد آ جائے' اور آ رہی ہے' دین متین کی حفاظت اور احیائے دین کے لئے کوششیں جو بالآخر جہاد و قتال کے مرحلے میں داخل ہو کر اسلام کو ایک عالمی خلافت کی شکل دے سکتی ہیں' اس کے لئے یہی محدود وسائل اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے علاوہ کچھ بھی میسر نہیں ۔

چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ ملا گدازیم

صورتِ مسئلہ:

صورتِ مسئلہ یا ان سطور میں زیر بحث نکتہ بنیادی طور پر صرف یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کی نوعیت اور معاملات دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کیا تھے؟ دورِ خلافت راشدہ میں کیا تھے؟ اور اس کے فوراً بعد جو دَور آیا جس میں دورِ بنو اُمیہ اور دورِ بنوعباس کا ابتدائی زمانہ شامل ہے' اس میں یہ معاملات اور ان پر اہل علم اور فقہائے اُمت کا نقطۂ نظر کیا تھا؟ کیا ان تینوں ادوار میں یہ معاملات ہو بہو ایک جیسے رہے یا ان میں مرورِ زمانہ سے کوئی تبدیلی آئی؟ مزید برآں آج جو حالات ہمارے سامنے ہیں کیا وہ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہ ہیں یا دورِ خلافت سے مماثلت رکھتے ہیں یا بعد کے دَور جیسے ہیں' جس وقت پوری دُنیا پر عالم اسلام کا سکہ رواں تھا یا اس سے بھی مختلف ہیں؟ اگر فرق واقع ہوا ہے تو کہاں اور کتنا؟ اور اس کے نتیجے کے طور پر احکامِ زکوٰۃ کی تطبیق کیسے ہو؟

اس تغیر کی مثال یہ ہے کہ خیر القرون کے قریب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ مزارعت حرام ہے' تاہم چند عشروں کے فرق کے ساتھ حالات بدلے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مشروط مزارعت کے جواز کی رائے دی۔ ہم ظاہراً اسے اختلاف کا رنگ دیتے ہیں کہ شاگرد نے استاد سے صرف اختلاف کیا' حقیقتاً یہ ظروف و احوال کی تبدیلی کی وجہ سے اجتہاد کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح حدیث میں تصریحاً ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی فی سبیل اللہ ہے۔ فقہاء نے اس حدیث کو عموم پر قیاس کیا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں غازی کے علاوہ دوسرے اشخاص کو بھی شامل کر دیا۔ یہ اجتہاد 'فی سبیل اللہ' کے لفظ میں عموم پر دلالت کرتا ہے کہ حالات کے بدلنے سے فی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سبیل اللہ کے معنی موقع اور محل کی مناسبت سے اسلام کی cause اور سربلندی کے لئے ہر مساعی کو لیا جانا چاہئے۔

ایک عمومی غلط تاثر:

ایک عمومی نقشہ جو آج کے عام دین دار اور مذہبی آدمی کے ذہن میں ہے وہ یہ کہ جیسے آج کل زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام ہے' علماء کرام کے مدارس ہیں اور مشہور علمائے دین کی نسبت سے مختلف دار العلوم ہیں' ان میں زکوٰۃ آ رہی ہے اور مدارس کے طلبہ و اساتذہ پر خرچ ہوتی ہے' کچھ لوگ ذاتی طور پر ادا کرتے ہیں' کچھ 'سود' میں سے کاٹ کر حکومت وصول کر لیتی ہے اور پھر تقسیم کا ایک نظام بنا رکھا ہے' شاید دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام' دورِ خلافت راشدہ' دورِ بنواُمیہ اور دورِ بنوعباس کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہی تھا۔ اور گویا کہ دین [illegible] ضرورت اگر ہے تو صرف یہ کہ مزید لوگ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ مدارس وجود میں آئیں اور اس سے طلبہ درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کر کے نکلیں اور بس۔ اس تاثر کی رو سے کچھ مغرب زدہ اور جدید ذہن کے لوگ اس کے مخالف ہیں اور اس مسلمہ اور متفقہ اور اسلاف سے چلی آ رہی صورتِ حال میں رخنہ ڈال کر اِس نظام کو درہم برہم کر کے اپنے کچھ مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں' اور یہ حضرات مدارس اور دینی شعائر کے اچھے بھلے چلتے نظام کو مغرب کی خواہش پر وسائل سے محروم کرنا چاہتے ہیں' اور یہ لوگ ''مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ'' کے مصداق اپنے لئے جہنم کا راستہ آسان کر رہے ہیں۔

حالانکہ یہ تاثر حقیقت سے بہت دور ہے اور ایک بہت بڑی غلط فہمی اور بدگمانی کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دَور کا حصول و تقسیم زکوٰۃ کا نقشہ نہ دَورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہ ہے نہ دورِ خلافت راشدہ سے اور نہ ہی اوّلین فقہائے اُمت یعنی ائمہ اربعہ (چار فقہی مسالک) کے دورِ مبارک سے' بلکہ یہ تو اس دورِ انحطاط اور دین سے بیزاری کے گزشتہ چار صدیوں کے عرصہ میں زوال پذیر دینی جذبہ کی باقیات ہیں' جس میں یقیناً جذبہ اور خلوص تو رضائے الٰہی اور دین پر عمل ہے مگر خارج میں جامد اور منجمد روایات کے سوا شاذ ہی کچھ مثالیں سامنے لائی جا سکیں۔

لہٰذا اگر کچھ لوگ ''فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ'' (النساء:۵۹) کے مصداق اوپر بیان

© rasailojaraid.com

کردہ موجودہ روایتی سوچ کے علاوہ کسی دوسرے نقطۂ نظر کو سامنے لاتے ہیں تو اس پر نہ دین دشمنی کا لیبل لگانے کی ضرورت ہے نہ آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لینے کی' بلکہ آنکھیں کھول کر آج کے حالات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عملدرآمد کے لئے از سرنو کوئی صورت نکالنے کی۔

ہمارے عام دینی طبقے کے لوگ اور علماء بھی گزشتہ چند صدیوں کے علماء و مجتہدین کا ذکر کرتے ہیں تو ایک لفظ 'متاخرین' کہہ کر ایک درجے میں استخفاف کرتے ہوئے اس رائے کو ناقابل التفات گردانتے ہیں' حالانکہ بدلے ہوئے حالات میں اگر رائے اور احکام بدل جائیں تو اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ اور یہ اجتہاد بھی کسی عامی انسان کو نہیں بلکہ قرآن و سنت سے کماحقہٗ واقف شخص ہی کو کرنا ہے۔ اسی غلط تاثر کا ایک پہلو یہ ہے کہ مدارس میں زکوٰۃ کی وصولی ہوتی ہے تو ساتھ تملیک کا مسئلہ بھی بیان ہوتا ہے' لہٰذا اب تملیک بھی ضروری ہے تو اس کے لئے 'حیلہ' کیا جاتا ہے' حالانکہ طلبہ کو بطورِ حیلہ رقم زکوٰۃ کی تملیک کے بعد اُن سے واپس لے کر اپنی مرضی سے خرچ کرنا اصولِ تملیک کے خلاف ہے' تملیک کے بعد تو مالک اپنے مال کو اپنی مرضی اور صوابدید پر جیسے چاہے خرچ کرے۔ پھر یہ کہ اگر تملیک کا مسئلہ اسی طرح حل ہو گیا تو مدارس کے محسنین تو وہ طلبہ ہیں جنہوں نے اپنی مِلک سے رقم مدارس کو مہیا کر دی نہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے حضرات و خواتین' جبکہ ان مدارس میں عزت اور آؤ بھگت اُن ہی معطی حضرات کی کی جاتی ہے اور وہ خرچ بھی اُسی رقم سے اٹھتا ہے۔ اس سارے معاملے کو دل مانتا بھی نہیں کہ صحیح ہو رہا ہے' مگر پھر بھی یہ سلسلہ چل بھی رہا ہے اور لوگ خاموش بھی ہیں۔

اجتہاد:

اجتہاد اور مجتہد ہماری دینی اصطلاحات ہیں۔ اجتہاد میں ہی اسلام کے ابدی دین ہونے کا راز مضمر ہے اور اسی کی تہہ میں ختم نبوت و رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی اٹل اور انمٹ حقیقت کا نقش کندہ ہے کہ اسلام کوئی جامد احکام کا مجموعہ نہیں' بلکہ اس میں نمو اور قیامت تک ہر قسم کے پیش آمدہ حالات کے مطابق اپنے متبعین کو راستہ دکھانے کی صلاحیت موجود ہے۔ اسی سے اسلام میں ایک حرکت اور dynamism کا جذبہ موجزن ہے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہر انسان کی انفرادی زندگی بھی تغیر اور تبدیلیوں سے عبارت ہے اور انسان کے خارجی حالات اور داخلی احساسات وخیالات بھی ہر دم اور ہر لحظہ متغیر ہوتے رہتے ہیں اور اسی طرح مجموعی طور پر انسانی حیات اور نسل انسانی بھی طفولیت سے لڑکپن اور جوانی اور بلوغت کی طرف بڑھی ہے۔ سابقہ انبیاء ورسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی تعلیمات اور شریعتیں انسانی حالات اور تغیر کے ساتھ حکمتِ الٰہی کے مطابق تبدیل ہوتی رہی ہیں' اور انسانی علم اور تجربے کے ایک خاص مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمادی اور آخری وحی بھیج دی کہ اب انسان خود اس اصولی اور بنیادی آسمانی ہدایت سے قیامت تک اپنے اپنے حالات اور ظروف و احوال کے مطابق تفصیلی احکام اخذ کرتا رہے گا۔ اب دَورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور اہل علم اس میدان میں محنت کر کے اُمت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

(یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ہر آدمی اجتہاد کرنے کے مقام پر فائز نہیں ہے اور نہ ہی ہر مدعی کو یہ مقام اُمت کی طرف سے دیا جاسکتا ہے۔ یہ تو اہل علم وفقہ اور قرآن وحدیث کے جاننے والے حضرات کی معتد بہ تعداد ہی کسی رائے کو معقول تسلیم کرلے تبھی وہ اجتہاد صواب شمار ہوسکتا ہے۔

واضح رہے کہ موجود بحث میں کم از کم تنظیم اسلامی اور انجمن کے پلیٹ فارم سے پیش کردہ آراء کسی از خود اجتہاد کا حصہ نہیں ہیں' بلکہ ان بہت سارے متاخرین اور دورِ حاضر کے علماء کی رائے کو اختیار کرنا ہے' جنہیں ہمارے بعض اہل علم متاخرین کی رائے کہہ کر حقارت سے ٹھکرادیتے ہیں' حالانکہ اجتہاد کی ضرورت وافادیت اور جواز کے بعد متاخرین کی رائے ہی کو ہر دور میں صائب اور اقرب الی الصواب گردانتا لازم ہے۔)

تاریخی حقائق:

اس سے پہلے کہ ائمہ اربعہ کے دَور سے لے کر اب تک کے حالات کا اسلام کے حوالے سے جائزہ لیا جائے اور متعین کریں کہ ظروف واحوال میں کہاں اور کتنا فرق واقع ہوا ہے' یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی حقائق کا جائزہ لیا جائے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ کے

© rasailojaraid

دورِ مبارک سے لے کر ائمہ اربعہؒ کے زمانہ تک حالات میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں اور اس کی بناء پر زکوٰۃ جیسے اہم مسئلے کے ضمن میں اصحاب علم، فضل اور اصحاب بصیرت رحمہم اللہ نے کیا کیا فیصلے فرمائے تاکہ فی نفسہٖ مسئلہ کا پس منظر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ آیئے اس پہلو سے حالات کا سلسلہ وار جائزہ لیتے ہیں، اور وہ یہ ہے

۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا۔ یہ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی امت تھے اور پچیس صدیوں کا فصل انہیں حقیقی اسلامی تعلیمات سے بہت دور لے گیا تھا اور مرورِ زمانہ کا گرد اُن کے نظریات و خیالات پر (ایک موٹی تہہ کی شکل میں) پڑ چکا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں حقیقت بھی آشکارا نظر آجاتی تھی مگر مجموعی طور پر وہ راہِ حق سے دور نکل گئے تھے۔

اسی دینِ ابراہیمیؑ کے تانے بانے سے ہی شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خمیر اٹھا ہے اور حکمتِ الٰہی کے منشاء کے مطابق اس میں حک و اضافہ سے تعلیمات اسلامی کا ہیولیٰ سامنے متشکل ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی اہل عرب اپنی آمدنیوں میں سے اللہ کے لئے حصہ نکالتے تھے (اگرچہ مشرکانہ ذہن کی وجہ سے اس میں سے ایک حصہ بتوں کے نام کر دیتے تھے)۔ پھر وہ یتامیٰ، مساکین حجاج وغیرہ پر بھی خرچ کرتے تھے۔

۲) آغازِ وحی کے بعد قرآن مجید کی مکی سورتوں میں یتامیٰ، مساکین، غرباء پر خرچ کرنے کو (چاہے اسلام سے پہلے ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد) ایک نیکی شمار کیا گیا ہے۔ پھر بتدریج اس خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس انفاقِ مال کو بعد ازاں اللہ تعالیٰ کو 'قرض' دینے کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا گیا۔ پھر مدنی

دور میں اس انفاق کے دو درجے واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک غرباء اور حاجت مندوں پر خرچ کرنا اور دوسرا دین کی ترویج و اشاعت اور اس کی سربلندی کے لئے۔ دین کی سربلندی کی اس وقت واحد شکل غزوات اور جہاد کی تھی، اس لئے کہ اس دور کی جنگ رضاکارانہ افراد کی شرکت پر تھی اور عرب میں کوئی ہمہ وقت Standing Armies کا تصور نہیں تھا۔ پہلی صورت کے لئے عام طور پر لفظ 'صدقہ' بولا گیا اور 'صدقات' کا لفظ اسی کے

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

لئے مختص ہو گیا جبکہ دوسری مدّ کے لئے 'قرضِ حسنہ' کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کا درجہ بہت زیادہ بتایا گیا ہے۔

۳) زکوٰۃ بہ اختلاف روایات ۵ سے ۹ ہجری کے درمیان فرض ہوئی ہے جس کے ذریعے ایک عام مسلمان کے لئے صدقات اور اللہ کے لئے قرض حسنہ کی ایک ناگزیر کم از کم مقدار اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دی۔ اور یقیناً ایک عام مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ناگزیر صدقات اور دین کی اشاعت کی مدّ میں خرچ کرنے سے قانوناً بری ہو جاتا ہے اور اس کا بقیہ مال پاک شمار ہوتا ہے۔

اگر چہ اخلاقاً اور ایمان کے اعلیٰ درجات کی نسبت سے خرچ کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور دونوں مدّوں میں خرچ کرنے کے بارے میں قرآن میں مقربین بارگاہِ خداوندی کے لئے ''عفو'' کا لفظ آیا ہے' مگر یہ روحانی بلندی اور ذاتی نیکی کا مظہر ہے 'فرض' کے درجے کی چیز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.c

۴) سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ میں اس زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے مدّات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ ان آٹھ مدّات میں اگر چہ 'فی سبیل اللہ' کا عنوان الگ موجود ہے مگر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں فقراء' مساکین اور مقروض وغیرہ پر خرچ کرنا بھی آج کے فقراء و مساکین پر خرچ کرنے سے مختلف تھا۔ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی برکت تھی کہ کم از کم آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور دورِ خلیفہ اوّل بلافصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک مسلمان ایک وحدت تھے۔ اور بقول اقبال ؎

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا!

غرباء و مساکین اور مجاہدین دو الگ کھاتے نہیں تھے' بلکہ ایک ہی انسانی گروہ تھا۔ وہ ضرورت مند بھی تھے اور وہی مجاہد فی سبیل اللہ اور غازی فی سبیل اللہ بھی۔ انہی مجاہدین میں سے کوئی قرض دار ہے تو اس کے قرض کی ادائیگی بھی اسی مدّ میں سے تھی۔ وہ بھی مجاہدین ہی کی بالواسطہ امداد تھی۔

لہٰذا اگر یہ فرض کیا جائے کہ ۱۳ھ تک زکوٰۃ کی تقسیم کی مدّات میں اسلام کی ترویج

© rasailojaraid.c

واشاعت اور غلبہ و تمکن کا پہلو غالب تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

۵) جناب رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام بھی موجود تھا اور اس کی تفصیلات کتب احادیث میں موجود بھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک میں بھی یہی نظام جاری رہا' حتیٰ کہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی گئی اور اسلام کے اجتماعی نظام' نظامِ خلافت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔

۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ پھیلا۔ زکوٰۃ کے مال میں بے پناہ اضافہ ہوا' زکوٰۃ کی تقسیم کا نظام بہت وسیع ہوگیا' حکومت کی آمدنی کے ذرائع بہت پھیل گئے' کفالتِ عامہ کا نظام قائم کردیا گیا' بھاری بھاری وظائف مقرر کیے گئے۔

۷) خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قائم کردہ نظام مستحکم رہا اور کفالت عامہ کے اسلامی نظام کی برکات اتنی ظاہر ہوئیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں زکوٰۃ کے نظام میں ایک بنیادی تبدیلی لانی پڑی۔

© rasailojaraid.c

ہوا یہ کہ اسلامی خلافت کی حدود مغربی افریقہ سے کابل اور خراسان اور سندھ تک پھیل گئیں تو زکوٰۃ کی وصولی کا نظام اس دور میں اتنا مؤثر نہ رہا (یاد رہے کہ آج کے کمپیوٹر کے دور میں بھی امریکہ جیسے ملک میں شاید سو فیصد آبادی کو Tax Net میں رجسٹر کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے) اور ہر مسلمان کے مال کی تشخیص (assessment) کہ وہ صاحب نصاب ہے یا نہیں' پھر زکوٰۃ کی وصولی اور پھر تقسیم کا نظام عملی مشکلات کا شکار ہوگا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشورہ سے اتفاق رائے پیدا کیا اور زکوٰۃ کے ضمن میں اجتہاد کیا اور دو نئی اصطلاحات کا اضافہ کیا' عملاً مال زکوٰۃ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ یعنی اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ۔

☆ اموال ظاہرہ: یہ وہ اموال ہیں جو اموال تجارت و زراعت اور دکانیں اور گودام ہیں' جن کو حکومتی اہل کار تشخیص کرسکتے ہیں۔

☆ اموال باطنہ: یہ وہ اموال ہیں جو آدمی کی ذاتی ملکیت اور گھر کے اندر غیر تجارتی نقطہ نظر سے محفوظ ہوتے ہیں' مثلاً سونا' چاندی' نقدی وغیرہ۔

اتفاقِ رائے یہ ہوا کہ اموالِ ظاہرہ کی تشخیص' رقم زکوٰۃ کی تعیین اور وصولی حکومتی اور

© rasailojaraid.c

• سرکاری سطح پر ہوگی، جبکہ اموال باطنہ کی تشخیص، تعیین اور مال زکوٰۃ کی تقسیم ذاتی اور نجی سطح پر ہر شخص خود کرے گا۔ (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عام خوشحالی اتنی زیادہ تھی اور کفالت کا نظام اتنا منظم اور مؤثر تھا کہ ایک عورت اپنا مال زکوٰۃ تقسیم کے لئے لئے پھرتی تھی اور کوئی وصول کرنے والا نہ تھا (یاد رہے کہ یہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا مال ہی تھا، ورنہ اموالِ ظاہرہ پر زکوٰۃ کی وصولی تو حکومت کا کام تھا۔) (۲)

۷) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت اور اس کے بعد دورِ بنوامیہ ہے۔ پھر دور بنو عباس ہے۔ مگر خلافت راشدہ کے بعد حالات بدلتے چلے گئے اور دوسری صدی ہجری کے آغاز پر غزوات وقتال کا وہ تصور جو دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا دورِ خلافت میں تھا بالکل ختم ہو گیا اور کفالت عامہ کا تصور بھی پس پردہ چلا گیا۔

یہ مختصر جائزہ ہے ان تاریخی حقائق کا جو زکوٰۃ سے متعلق احکام کو سمجھنے کے لئے ہمارے نزدیک ناگزیر ہے۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حالات کے تغیر کا ذکر:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی مکی دور اور مدنی دور اسلام کی تاریخ کے دو منفرد باب ہیں۔ مکی زندگی میں سفر طائف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر مکہ میں داخلہ کا مرحلہ ہے تو دوسری طرف مدنی زندگی میں فتح مکہ کے موقع پر ایک فاتح کی حیثیت سے دس فرشتہ صفت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا مکہ میں ورودِ مسعود ہے۔ اس کے بعد خلافتِ راشدہ کا سنہری دور ہے، پھر ملوکیت ...... پھر مزید حالات کی خرابی۔ کلام نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں ان تبدیلیوں کا ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ اسلام کو پانچ ادوار میں تقسیم فرما دیا۔

پہلا دور —— دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

دوسرا دور —— دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) اسلامی ریاست، ڈاکٹر حمید اللہ

(۲) بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔ اسلامی ریاست، ڈاکٹر حمید اللہ

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

تیسرا دور —— دورِ ملوکیت (مُلکاً عاضاً)

چوتھا دور —— دورِ غلامی (مُلکاً جبریاً)

پانچواں دور —— عالمی خلافت اسلامی

آج اکیسویں صدی کے آغاز پر ہم دورِ غلامی کے دھندلکوں سے نکلنے کے قریب ہیں اور پانچویں دور یعنی (عالمی غلبہ اسلام) کی دہلیز پر ہیں۔ موجودہ عشرہ صبح کاذب ہے یا صبح صادق' یہ آنے والے دن ہی بتائیں گے۔ معنوی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کے دور کو ایک انحطاط کا دور قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((خَیرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ)) یعنی دورِ صحابہؓ کے بعد دورِ تابعینؒ اور اس کے بعد مزید حالات کی خرابی اور جذبہ ایمانی میں کمی کا دور آئے گا۔ ایک اور حکیمانہ قول میں آپؐ نے فرمایا:

((بدأ الاسلام غریباً وسیعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء))

یعنی غلبہ اسلام کی مشکلات کے بعد ایک عروج کا دور ہوگا اور پھر اسلام دورِ آغاز کی طرح اجنبی بن جائے گا۔ یا تو حقیقی اہل ایمان کی تعداد کم رہ جائے گی' یا عمومی جذبۂ ایمانی سرد پڑ جائے گا یا دشمنانِ اسلام کی تعداد اور وسائل بے پناہ ہو جائیں گے۔ نتیجتاً اہل اسلام دنیا میں اجنبی بن کر رہ جائیں گے۔

صورت بایں جا رسید:

دورِ بنواُمیہ کا آخری حصہ اور دورِ بنوعباس کا نصف اوّل اگرچہ ظاہری اعتبار سے اور عام دنیاوی تاریخ میں اعلیٰ انسانی اقدار' عدل وانصاف اور رعایا پروری' علم وفن کی ترقی اور نت نئی ایجادات کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ دور رہا ہے اور تقریباً کل مشرق وسطی سمیت مسلمان علاقوں میں تہذیب وثقافت کی نہایت اعلیٰ روایات قائم ہوئیں۔ سپین میں آٹھ صدیوں تک اسلامی تہذیب وثقافت کا ڈنکا بجا۔ تاہم اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے یہ دَور کسمپرسی کا ہی دَور شمار ہوتا ہے۔ پھر سقوطِ بغداد (۱۲۵۸ء) اور سقوطِ غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا عالم اسلام دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور ہماری اعلیٰ روایات اور اخلاقی قدریں نہ صرف پامال ہوگئیں بلکہ نسیاً منسیاً ہوگئیں۔ خلافتِ عثمانیہ نے ان روایات کو کچھ سہارا دیا مگر یہ سہارا جذبے کی کمی کی وجہ سے زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکا اور مسلمان حکمران برصغیر

© rasailojaraid.com

نہ میڈیا ہے نہ حکومتی وسائل۔ اس کے برعکس دشمنان اسلام بچے کھچے اسلامی تصورات اور خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

غرض نہ مدنی دور کے مشابہ قتال اور غزوات کا نقشہ ہے نہ حالات، نہ ہی ائمہ اربعہ کے دور جیسے جہاد کی شکل ہے اور نہ ان میں شمولیت کے ذرائع، نہ بیت المال ہے نہ مسلمانوں میں زکوٰۃ کی تقسیم کا کوئی اجتماعی نظام۔ (حکومت نے بینکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا نظام بنایا ہے، وہ بھی ایک عشر عشیر کے برابر ہے اور محل نظر بھی) مزید برآں دینی جذبے کے انحطاط کی وجہ سے سب مسلمان صاحب نصاب نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ اس کا شوق رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس بنکوں میں زکوٰۃ کی کٹوتی جیسے معاملے میں اہل سنت عوام میں سے کتنے ہی لوگوں نے کٹوتی سے استثناء کے لئے شیعہ مسلک میں نام درج کرا دیا، جب کہ بعض صورتوں میں یہی لوگ زکوٰۃ کی وصولی میں زکوٰۃ کمیٹیوں میں پیش پیش رہے۔

یہ ہے وہ نقشہ جو ہمارے دائیں بائیں ہر صاحب نظر دیکھ سکتا ہے اور اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے جذبہ کی گہرائی اور گیرائی میں شدید قلت کا اور ایمانی جذبات سے تہی دامانی کا۔

الی اللہ الاشتکاء وعلیہ التکلان!

© rasailojaraid

اجتہاد کے ضمن میں ہماری اعلیٰ روایات:

تاریخ اسلام میں اگر فقہ اسلامی کی ترقی و ترویج اور ایک فن کی حیثیت اختیار کرنے کی روایات کو پرکھا جائے اور ان کا تتبع کیا جائے تو اجتہاد کے سلسلے میں مسلمانوں کی اعلیٰ علمی خدمات اور شاندار روایات کا ایک چمن زار نظر آئے گا جس کی نظیر شاید ہی دنیا میں کہیں اور تلاش کی جا سکے۔ آج ہمیں گزشتہ ادوار کا صحیح پس منظر اور منظر نامہ سامنے نہ ہونے کی وجہ سے یہ اعلیٰ روایات محض چند فقہاء کے اختلافات اور باہمی موشگافیوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ تاہم ذرا دقت نظر سے مطالعہ کریں تو انسانی مزاج اور نفسیات کے عین مطابق فقہائے اسلام کی اس محنت میں موشگافیوں، ذاتی رنجشوں، ہم عصری کے فتنوں اور شاید بعض صورتوں میں باہمی رقابتوں کا عنصر بھی بعید از قیاس نہ ہوتا، ہم مجموعی طور پر ہر غیر جانبدار قاری اس علمی ذخیرے کے سلسلے میں کی گئی کاوشوں کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور غیر مسلم تک معترف

© rasailojaraid

ہیں کہ دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری مسلمانوں کے علمی ورثے میں عروج کا زمانہ ہے، جس وقت کہ یورپ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ اسے Dark Ages کہتے ہیں۔

ہم مسلمان خود بھی اس دور کے بارے میں پڑھتے ہیں تو اس دور کے اختلافات کو سطحی لے لیتے ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے بھی باہمی اختلاف کیا ہے تو اس میں کچھ اصول فقہ کے اختلاف کے باوصف زمانے اور حالات کا اختلاف سب سے بنیادی اور فیصلہ کن عامل ہے۔ ذرا غور کریں کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ اختلاف کرتے ہیں تو اس اختلاف میں باقی تمام امکانات معدوم کے درجے میں ہیں سوائے اس وجہ کے کہ معاشرہ جس تیزی سے خلافت راشدہ والے خالص اسلامی معاشرے سے ملوکیت کے زیراثر جا رہا تھا وہ اس اختلاف کا اصل باعث ہے۔ ظروف و احوال کی وہ تبدیلی، تبدیل شدہ اجتہادی رائے کا باعث بنی ہے۔ مزارعت کے بارے میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ایک رائے رکھتے ہیں، جبکہ ایک نسل کے فرق کے ساتھ یہ اجتہادی رائے تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس اجتہادی رائے کی تبدیلی کو اس پاکیزہ ماحول میں نہ کسی نے ''تفسیر بالرائے'' سے تعبیر کیا، نہ نفسانی خواہش کہا، بلکہ اہل علم نے قبول کیا۔ علیٰ ہذا القیاس ہمارے اسلاف نے اس اجتہاد کو ہر موقع پر ''بروقت'' استعمال کر کے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی صحیح رہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔ اگرچہ ہم عمومی طور پر اس اختلاف کو محض اختلاف کہہ کر شرمندگی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا، جبکہ حقیقت میں یہی وہ علماء وفقہائے اسلام کا ہماری تاریخ میں سنہری کارنامہ ہے کہ اسلام کو درپیش ہر چیلنج کا مقابلہ کیا ہے اور قرآن وسنت کے اصولوں کا علم ہر قسم کے نامساعد حالات میں بھی سربلند رکھا ہے۔

اسی سلسلے میں ہمارے متاخرین فقہاء ہیں جنہوں نے حالات کے حد درجہ تغیر کی بنا پر اسلاف کی آراء سے اختلاف کیا اور مخلصانہ اجتہاد کیا، مگر عام طور پر اسے متاخرین کی رائے کہہ کر نہ صرف متاخرین کے متاخرین اس کو رد کر دیتے ہیں بلکہ اسلام کے اصول اجتہاد کی جڑ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں (یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ ہر آدمی اٹھ کر اپنی رائے پیش کرے اور اسے اجتہاد کا درجہ دے دیا جائے، یہ ممکن نہیں) گویا اجتہاد کا دروازہ بند کرنے اور بند

© rasailojaraid.

رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ ہمارے ماضی قریب کے علماء میں سے کتنے ہیں جنہیں ہم غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں، بیہقیٔ وقت اور وقت کے امام ابوحنیفہؒ کہہ کر پکارتے ہیں، مگر ان کے کیے گئے اجتہاد کو متاخرین اور دورِ جدید کے علماء کی رائے کہہ کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور قیاس مع الفارق کرتے ہوئے ہزار سال پرانے حالات میں علماء کی تفاسیر اور آراء کو آج کے حالات پر چسپاں کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ جسارت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام کے اصولِ اجتہاد کے آگے بند باندھنے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ماضی قریب کے جن علماء نے اسلاف سے بعض معاملات میں الگ رائے دی ہے ان کا جذبہ اور خلوص بتا رہا ہے کہ واقعتاً اگر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کوئی اس وقت موجود ہوتے تو وہ بھی یہی فتویٰ دیتے۔

تو فقہاء کے درمیان آراء کے باہمی اختلاف قرونِ اُولیٰ میں بھی تھے جو مجموعی طور پر ظروف واحوال کے اختلاف کی وجہ سے اجتہادی رائے کی تبدیلی کا مظہر تھے اور متاخرین اور دورِ حاضر میں اگر تبدیل شدہ حالات میں کوئی اجتہادی رائے دی گئی ہے تو وہ بھی خلوص و اخلاص پر مبنی اور قابل ستائش ہے جس طرح کہ اسلاف میں علماء وفقہاء نے اپنے اپنے وقت میں اجتہادی آراء دی ہیں۔ مثلاً:

اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی رقم سے راستوں اور پلوں کی تعمیر پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو صحیح ہے۔

اگر امام محمد رحمۃ اللہ نے حجاج پر زکوٰۃ کی مد سے خرچ کرنے کو کہا ہے تو صحیح ہے۔

اگر دیگر ائمہ نے ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم کو غزوات اور قتال سے عموم دے کر دشمن کے خلاف تیاری کے سلسلے میں تمام اقدامات کو شامل کر دیا ہے تو یہ بھی اتنا ہی درست ہے۔

اسی طرح آج کے حالات میں اگر علماء اسلام موجودہ حالات میں نئی رائے دیتے ہیں تو یہ بھی ماضی کی طرح صدفی صد درست ہوگی۔

حالات کی پکار:

گزشتہ تین چار صدیوں (الف ثانی کے دوران) میں اسلام کے زوال اور مغرب کی بالادستی اور چیرہ دستی کے دور میں مجموعی طور پر مسلمانوں پر جو کچھ گزرا ہے وہ اب تاریخ کا

© rasailojaraid.com

حصہ ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شاندار خدمات، دیگر مجددین کے کارنامے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی کاوش، تحریک شہدینؒ، جنگ آزادی کے دوران مجاہدین کی سرفروشانہ خدمات، بعدازاں ریشمی رومال کی تحریک، جمعیت علمائے ہند کی کوششیں اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں علماء کی خدمات، یہ حالات تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے درج ہیں، مگر اب حالات ماضی سے بہت مختلف ہیں۔ عوام میں دینی عنصر اور جذبہ روبہ زوال ہے۔ مغربی افکار و نظریات ہماری نئی نسل کو جدیدیت اور فیشن کے نام پر عریانی اور فحاشی کے ساتھ ساتھ اباحیت پرستی (کہ مذہب کی رو سے حلال و حرام کی کوئی اہمیت نہیں، ہر چیز حلال ہے، اسے استعمال کرو اور فائدہ اٹھاؤ) کی طرف لے جارہے ہیں۔

مغربی اقوام جدید وسائل سے لیس ہو کر نہ صرف ہمارے خلاف صف آرا ہیں بلکہ دل میں بغض رکھتے ہوئے صلیبی جنگوں کے نام سے ہم پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمانوں میں جذبۂ اسلامی اور جذبہ ملی ہوتا، متحد ہوتے، دشمن کے خلاف ڈٹ جاتے، تمام اختلاف بھلا دیتے، حکمران بھی مسلمانی کا ثبوت دیتے اور سیاسی لیڈر بھی صحیح رہنمائی کرتے اور حق کا ساتھ دیتے، مگر —— وائے افسوس کہ ایسا نہیں ہے، ہمارے مسلمان ممالک کے اکثر حکمران مغرب زدہ اور مغرب پرست ہیں، بلکہ ان کے پروردہ اور ان کے مقاصد کو آگے بڑھانے والے اور شاید اُن کے تنخواہ دار (Confidential Pay Roll) پر ہیں۔

ان حالات میں اسلام کی کشتی کو کون عالمِ اسباب میں ساحلِ مراد تک پہنچائے گا۔ اس کے لئے جو لوگ انفرادی طور پر، یا جو ادارے، انجمنیں، جماعتیں، جمعیتیں اور دینی و مذہبی سیاسی پارٹیاں کام کر رہی ہیں اُن کے وسائل اور افرادی قوت کا مغرب کی قوت سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ جیسے سورۃ الانفال میں ایک اور بیس کی نسبت قرار دیا گیا ہے کہ کوئی بات نہیں، ہمت نہ ہارو اے اہل ایمان! کفار کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔ مگر آج ضعفِ ایمانی کے ساتھ ساتھ وسائل میں شاید ایک اور ہزار کا فرق واقع ہو چکا ہے۔

اس بات سے مایوسی پھیلانا مقصود نہیں بلکہ حقیقت حال واضح کرنا ہے اور ہمت دلانا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو اِن حالات میں بھی کشاکش میں مصروف ہیں۔

© rasailojaraid.com

کشاکش خس و دریا ہے دیدنی کوثر
اُلجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے!

ان مزاحمتی قوتوں کے پاس وسائل کی شدید کمی ہے اور ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کے بعد تو امریکی دباؤ میں جس طرح تمام دینی عناصر اور بالخصوص اسلام کے غلبہ کے لئے ہر کاوش کے علمبردار افراد کو ''دہشت گرد'' قرار دیا جارہا ہے اور ان کی مالی امداد کو بھی ''دہشت گردی سے تعاون'' کا جرم قرار دیا جارہا ہے' یہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ اسلام کی cause کے لئے کی جانے والی ہر کاوش کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ باہمی اختلافات (جو کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جون ۱۹۲۰ء کی دارالعلوم دیوبند کی تقریر میں اشارہ کیا تھا) کو بھلا دیا جائے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر نصب العین کی طرف بڑھتے چلے جایا جائے۔ یہ تعاون ہر طرح کا ایثار طلب کرتا ہے' تاہم وسائل کی کمی راستے کی رکاوٹ ہے۔ فلاحی کاموں کی غرض کے لئے امریکی امداد آجائے' یو این او کی مدد آجائے' پھر حکومتوں کی آمدنی' Taxes کا نظام اس کام کے لئے مختص ہے' سرکاری سطح پر جیسے تیسے تین چار ارب روپے ہر سال زکوٰۃ تقسیم کی ہی جاتی ہے۔

مگر — اسلام کی علمبردار ان مزاحمتی قوتوں' مدارس' انجمنوں کے لئے امداد اور تعاون کے راستے دن بدن مسدود ہو رہے ہیں۔

لہٰذا وقت کی پکار یہ ہے کہ ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

ان اداروں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں اور ان کے لئے مالی وسائل کے راستے پیدا کئے جائیں۔

مگر — یہ کیسے ہو' یہ لمحۂ فکریہ ہے' اور اسلام کے فقہاء اور اہل حل وعقد کے لئے سوچنے کا مقام ہے۔

تطبیق:

عالمِ اسلام کی زبوں حالی اور دشمنانِ اسلام اور اعدائے دین کی دلیری اور سرکشی کا سب سے اعلیٰ اور تیر بہدف علاج تو یہ ہے کہ کرۂ ارضی پر کسی ایک مسلمان ملک میں اسلامی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

انقلاب بر پا ہو اور خلافت کا نظام دوبارہ آ جائے جو ہمارے دین کا تقاضا ہے اور جس کی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں جناب الصادق والمصدوق حضرت محمد ﷺ نے۔ جو مسلمانوں کے تمام مسائل کو حل کر کے بیت المال کا قیام کرے، نصب امامت ہو اور زکوٰۃ سمیت تمام ارکانِ اسلام اور احکامِ خداوندی کما حقہ پورے ہوں۔ مگر اس بات کا عالم اسباب میں دور دور تک کہیں امکان نہیں ہے۔ (اگرچہ مشیتِ ایزدی سے کچھ بعید نہیں اور اس کے لئے سر توڑ کوشش کے ساتھ ساتھ بارگاہ ربّ العزت میں دعا کرتے رہنا چاہئے۔)

دوسرے درجے میں ممکن حل یہ ہے کہ عوام کے دباؤ پر مسلمان حکمران (جو کہ اکثر کلمہ گو مسلمان ہیں) جاگیں، عام زندہ اور ترقی پذیر قوموں کی طرح مقصد پر اکٹھے ہوں، مشترکہ ادارے بنائیں۔ اسلامی سربراہی کانفرنس (OIC) کے تحت ہی سہی، اکٹھے ہو کر اپنے مسائل کا حل نکالیں اور دشمنوں سے چوکنے ہو کر ان سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ پیدا کریں، عوام کو جگائیں۔ میڈیا، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور تعلیم کو اس مقصد کے لئے استعمال کریں تا کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں داخل ہو جائے اور "اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً" کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ زمین پر موجود حقائق کی روشنی میں یہ بھی دُور کی بات نظر آتی ہے۔

تیسرے اور آخری درجے میں حل یہ ہے، اور یہی کم سے کم درجے میں قابل عمل ہے، کہ اس محاذ پر موجود افراد، انجمنوں، اداروں اور جماعتوں کو زندہ رکھا جائے اور ان کے وسائل میں کمی نہ آنے دی جائے۔

اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کے لئے دل کھول کر مالی امداد دینی چاہئے مگر جیسا کہ ظاہر ہے کہ مثالیت پسندی اور واقعیت پسندی میں یہی فرق ہے کہ مثالیت پسندی (Idealism) کے اعتبار سے تو یہ صحیح ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو کو اِس ضمن میں آگے بڑھ کر اس مبارک مقصد میں حصہ ڈالنا چاہئے، مگر واقعیت پسندی (Realism) کے اعتبار سے نہایت اہم بات یہ ہے کہ عملاً کتنے لوگ دینی شعائر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بمشکل پانچ فیصد لوگ نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے کتنے لوگ واقعی دین پر خرچ کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ دین کے لئے دامے درمے سخنے کام کرنے والوں کی شدید کمی ہے اور اسے قحط الرجال کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔

آخری تجزیئے میں اور کم از کم درجے میں قابل عمل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ناگزیر

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اور فرض صدقات کی ادائیگی پر ابھارا جائے (اور یہ حقیقت ہے کہ اکثر لوگ دینی اعتبار سے کم سے کم پر ہی اکتفا کرتے ہیں) اور پھر اس زکوٰۃ کے استعمال میں دیگر مدّات کو دبا کر ''فی سبیل اللہ'' کی مدّ کو اہمیت دی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا' عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبے تو یو این او' امریکہ اور تمام حکومتیں اور NGO's کر رہی ہیں۔ جس مقصد کے لئے کہیں سے امداد کی موہوم (remote) توقع بھی نہیں ہے وہ اسلام کی حفاظت و سربلندی کا مقصد ہے۔ لہٰذا یہ صحیح اور برمحل بات ہے کہ اسلام ہی اس دور میں سب سے زیادہ یتیم ہے۔

زکوٰۃ کی مدات میں ''فی سبیل اللہ'' کی وضاحت میں ہمارے قابل قدر اسلاف نے بڑے قیمتی اشارے دیئے اور رہنمائی کی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ہمت کر کے اور اسلام کے نقطۂ نظر سے حالات کا مطالعہ کر کے اجتہادی شان کے ساتھ آگے بڑھے اور ''فی سبیل اللہ'' کے ضمن میں توسیع کا مظاہرہ کر کے آج کی جملہ دینی خدمات جو غلبۂ اسلام اور حفاظتِ اسلام کے سلسلے کی ہوں' اس میں شامل کرنے کا جواز مہیا کرے۔

اگر ایسا ہو جائے تو اسلام کا مستقبل تابناک ہے۔ اس سے بے پناہ وسائل ہاتھ آئیں گے اور بے شمار محاذوں پر کام کے دروازے کھلیں گے اور بالآخر اللہ نے چاہا تو نتیجہ خیز بھی ہوں گے۔ پھر ہمارے دینی مدارس میں حیلہ کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔

[یہ آخری جملہ شاید مضحکہ خیز ثابت ہو۔ راقم اس کی قدرے مثال سے وضاحت کئے دیتا ہے۔ تمثیل اور کیمرے کی فوٹو کے بارے میں عالمِ عرب اور پاک و ہند و بنگلہ دیش کے علماء میں اختلاف رائے ہے۔ جہاں تک ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کا تعلق ہے' یہ متفق علیہ طور پر حرام مطلق ہے' اگرچہ ہمارے ہاں اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اور شاید ہی کوئی بڑا مذہبی رہنما ہو جس کے ہاتھ سے بنے ہوئے قدآدم پورٹریٹ بنائے اور لگائے نہ جاتے ہوں' مگر کیمرے کی تصویر میں علمائے پاک و ہند و بنگلہ دیش کہتے ہیں کہ یہ بھی حرام ہے۔ مگر چند ناگزیر تمدنی ضروریات کے لئے جائز ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں بھی عوام و خواص سبھی اس کی واضح خلاف ورزی کرتے ہیں' اور ہمارے ہاں اگر کسی عالمِ دین کی مثال کہیں مذہبی حلقوں میں پیش کر دی جائے تو اس کا دفاع یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ علماء کا عمل اور چیز ہے' اور فتویٰ اور چیز ہے مگر پھر بھی

© rasailojaraid.com

حرام کے مرتکب کو علی الاعلان حرام کا مرتکب نہیں کہتے۔ دل میں بہرحال کسک باقی رہتی ہے اور تشفی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس عالم عرب کے علماء (علمائے ازہر وغیرہ) کی رائے یہ ہے کہ کیمرے کی تصویر حرام نہیں ہے' تقویٰ کے خلاف ہے۔ تاہم اسی تصویر کا عریانی وفحاشی کے فروغ کے لئے استعمال (یعنی بُرا استعمال) بہرحال حرام ہے۔

اب عملاً خلاف ورزی وہاں بھی ہے اور یہاں بھی اور نتیجہ دونوں آراء کا ایک ہی ہے' لیکن ہمارے ہاں کا عام مسلمان ذہنی خلفشار میں رہتا ہے اور وہاں کا مسلمان ذہنی سکون میں]

یہی کیفیت ہوگی اس جواز کے فتویٰ کے بعد کہ موجودہ حیلہ کے طریق پر عملدرآمد سے بہرصورت اہل تقویٰ کے دل میں اضطراب کی کیفیت رہتی ہے جبکہ فتویٰ کے بعد زکوٰۃ کی رقم کا استعمال تو بہرحال وہی ضروریات دینی ہی ہوں گی مگر اضطراب قلبی سے نجات ضرور میسر آجائے گی اور یہی بڑا فرق ہے۔

© rasailojaraid.c

ایک اور اہم نکتہ جس پر اسی مقام پر غور ضروری ہے اور موجودہ صورت حال میں بہت اہم ہے' وہ اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ کی تقسیم کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کیا گیا فیصلہ ہے شاید وہ فیصلہ جتنا آج کے دور سے متعلق تھا اتنا شاید ماضی میں نہیں تھا۔

ایک صدی قبل تک انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے دائرے ایک ہی نہج پر صدیوں سے چلے آرہے تھے۔ انفرادیت کا دائرہ بہت وسیع تھا جبکہ اجتماعیت کا دائرہ بہت مختصر اور محدود۔ اجتماعیت کے دائرہ میں حکومتوں کے معاملات اور حکومتوں کا عمل دخل انسان کی انفرادی زندگی کو محدود طور پر اور عشر عشیر کے طور پر متاثر کرتا تھا۔ ماضی میں حکمران بدل جاتے تھے' بادشاہتیں بدل جاتی تھیں' مگر عوام پر اس کا اثر بہت کم پڑتا تھا۔

اس کے برعکس جدید دور میں اور مغرب کے نظریات وافکار کے تحت تمام ممالک میں اجتماعیت کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے اور انفرادیت کا دائرہ سکڑتا جا رہا ہے' اور شاید مغربی معاشرہ میں انفرادیت سکڑ کر ایک نقطہ پر آ گئی ہے۔

آج کا اجتماعی ڈھانچہ اور حکومتوں کا عمل دخل ہمارے نظام تعلیم' معاشرت' معیشت' تفریح' حتیٰ کہ عادات واطوار تک کو متاثر کر رہا ہے۔ پانی' بجلی اور گیس جیسے معاملات بھی اجتماعی شکل اختیار کر کے حکومتوں کے کنٹرول میں چلے گئے جو اسے اکثر و بیشتر سیاسی حربے

© rasailojaraid.c

کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ آج کا انسان اپنے بچوں کو اپنی مرضی کے کھیل اور تعلیم بھی فراہم نہیں کر سکتا اور یہ دائرہ ہر دن وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

اس پس منظر میں نہایت بالغ نظری اور دُور بینی کا فیصلہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کیا کہ اموال کو اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ میں تقسیم کر دیا۔ اموال ظاہرہ حکومتوں کا دائرہ ہے اور اموال باطنہ نجی سطح پر افراد خود اپنے داخلی یقین و ایمان کی کیفیات کی روشنی میں اور خالصتاً تعلق مع اللہ کے جذبے سے معین بھی کریں گے اور حقداروں میں صدقات تقسیم بھی کریں گے۔

اگرچہ یہ تقسیم نظام خلافت کے قیام کی متقاضی ہے مگر جب تک وہ خیر و برکت والا نظام قائم نہیں ہوتا موجودہ حالات میں ہر وہ ادارہ جو اسلام کے نظام خلافت کی ترویج اور قیام کے لئے کوشاں ہے (وہ تعلیم دین کا شعبہ ہو' قرآنی تعلیمات کے عام کرنے کا شعبہ ہو' شعورِ دین پیدا کرنے کی تحریک ہو یا سیاسی سطح پر عوام کو بیدار کرنے اور باطل کے خلاف صف آرا کرنے کا کام ہو جس کی آخری شکل کبھی قتال اور جہاد بالسیف بھی ہو سکتی ہے) وہ نظام خلافت کا قائم مقام ہے۔ لہٰذا حالات کی پکار اور تقاضا یہ ہے کہ اس (ظاہرہ اور باطنہ) تقسیم کو قائم رکھتے ہوئے اس کے مصارف کا دائرہ بھی معین کر دیا جائے۔ اوپر درج انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تقسیم کے حوالے سے جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ حسبِ ذیل ہے۔ اگر اہل علم اس بات کا وزن محسوس کریں اور بات معقول ہو تو ضرور اس پر صاد کریں اور اختیار فرمائیں' وگرنہ ردّ کر دیں۔

۱) اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ تصریح کے ساتھ الگ اکٹھی کی جائے اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ الگ۔

۲) اوپر درج ادارے اور انجمنیں جو اسلام کی آبیاری اور اس کی ترویج کے کام کر رہی ہیں' یا اس نظام خلافت کے قیام کے لئے کوشاں ہیں' وہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ان اجتماعی مصارف ''فی سبیل اللہ'' کی مد سے خرچ کریں' اور جیسا کہ سلف سے ہی تقسیم کر دی گئی ہے کہ لامِ تملیک کے بجائے 'فی' کے استعمال کی وجہ سے 'فی سبیل اللہ' میں تملیک کا مسئلہ بھی صد فی صد متفق علیہ نہیں ہے' لہٰذا اس حصہ کی رقم میں تملیک کا مسئلہ بھی اتنا اہم نہیں رہے گا اور اسلاف سے تمسک بھی رہے گا۔

جبکہ انہی مقاصد میں کوشاں افراد اور ان سے متعلقہ لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مستحق اور حق دار قرار دیئے جائیں۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' جہاد و قتال کے لئے

© rasailojaraid.com

نکلنا تو جہاد ہے ہی' مجاہدین اور نمازی حضرات کے گھروں کی نگہداشت' ان کے بیوی بچوں کی ضروریات اور کفالت' ان کی عزت و آبرو کی حفاظت حتیٰ کہ جہاد میں شمولیت کی غرض سے گھوڑے پالنا اور ان کی نگہداشت بھی کم تر درجہ میں سہی جہاد کا حصہ ہی شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا بالواسطہ طور پر ہی سہی ایسے افراد بھی فی سبیل اللہ ہی کے ضمن میں مصروف عمل ہیں اور ان کی کفالت و نگہداشت اموال باطنہ کی زکوٰۃ سے کی جانی چاہئے اور اس میں تملیک کا مسئلہ سامنے رہے تو ضروری ہے تاکہ حقداروں تک مال و اسباب پہنچتا رہے اور درمیان میں غبن اور غصب نہ ہو جائے۔ اسی تملیک کی شکل آج سرکاری سطح پر یہ ہے کہ وہ رقم متعلقہ فرد کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی جائے تاکہ کوئی تیسرا آدمی اس کو ہڑپ نہ کر سکے۔

اگر یہ تقسیم کردی جائے اور غور و فکر کے بعد تسلیم کر لی جائے' اور بظاہر اس میں کوئی بڑی قباحت نہیں [illegible] کی کاوشوں کو حیاتِ تازہ اور جذبۂ تازہ مل سکتا ہے۔

استفتاء نہیں' حکمت کی ضرورت ہے

مروّجہ مفہوم میں استفتاء اور فتویٰ کے یہی معنی غلط العام ہیں کہ صورتِ مسئولہ میں کوئی صاحب علم جو مسند فتویٰ پر تشریف رکھتے ہیں وہ سابقہ علماء اور فتاویٰ کی کتب سے عبارات نقل کر کے ایک تحریر سائل کے حوالہ کر دیں' اللہ اللہ خیر سلا۔

جبکہ موجودہ درپیش صورتِ حال میں یہ مسئلہ بہت وسیع الاطراف بھی ہے اور گہرا بھی۔ پھر اس کا تعلق نہ صرف مسلمانوں کی موجودہ زندہ نسل سے ہے بلکہ آئندہ نسلوں سے بھی۔ تیسری طرف یہ نہ صرف ہمارے لئے ایک فرض کی ادائیگی کا مسئلہ ہے بلکہ امت مسلمہ کی بقا کا مسئلہ ہے۔ ماضی میں سقوط بغداد (۱۲۵۸ء) اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) ایسے ہی حالات کا نقشہ ہیں کہ دشمنوں نے ہمیں نیست و نابود کرنے کی کوشش کی اور ہمارا اجتماعی نظام تو زمین بوس کر دیا' عام مسلمانوں پر بھی زندگی دوبھر کر دی۔

آج یہی معرکۂ روح و بدن موجودہ مسلمانوں کو درپیش ہے اور ابلیس اپنے یورپی اور امریکی درندوں کو ابھار کر مذہب و روحانیت' عدل و انصاف' شرافت و حیا اور نیکی اور پارسائی جیسی اقدار کے حامل لوگوں کا صفایا کر دینا چاہتا ہے تاکہ ابلیس اور اس کے کارندوں کو بغیر کسی مزاحمت کے پورے روئے ارضی کا وسیع میدان مل جائے اور ابلیس اور انسانوں میں سے

© rasailojaraid.co

یہودی دنیا میں عالمی حکومت کا تخت بچھا کر وسائل سے فائدہ اٹھائیں اور عیش کریں۔ ’’فتنہ دجال‘‘ موجودہ حالات ہی کا عنوان ہے جو احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں وارد ہوا ہے۔ فتنۂ دجال‘ دجالیت اور معین شخص دجال یہ بہت بڑا فتنہ ہے اور اس فتنہ سے پناہ مانگی ہے حضرت محمد ﷺ نے اور ہمیں بھی تلقین فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ تاریخ عالم میں فتنہ دجال سے بڑا اور کوئی فتنہ اہل ایمان کے لئے نہیں ہے۔

لہٰذا اس وقت کے مسائل صرف فتویٰ سے نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حکمت اور تدبر سے حل ہوں گے۔ حکیم کا لفظ ایک تو جسمانی علاج کرنے والے حضرات کے لئے استعمال ہوا ہے مگر یہی لفظ اُمت مسلمہ کے مسائل کے حل اور اُن کے لئے تگ و دو اور سعی و جہد کے ضمن میں نمایاں پیش رفت کرنے والے افراد کے لئے بھی آیا ہے اور یہ زیادہ صحیح مقام اور محل ہے لفظ حکیم کا۔ چنانچہ ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا اور علماء تعلیم یافتہ حضرات میں سے جناب علامہ اقبال کو حکیم اور حکیم الامت کے نام سے پکارا گیا۔ یہ حکمت سچے ایمان کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ اس حکمت و فراست کے حامل ہزاروں نہیں تو سینکڑوں افراد ضرور امت میں موجود ہیں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((اِتَّقُوا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (۱)

’’مومن کی فراست سے بچو‘ اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔‘‘

آج فتویٰ کی بجائے اس حکمت اور فراست کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے درمیان مولانا مفتی محمود‘ مولانا شاہ احمد نورانی‘ مولانا یوسف بنوری‘ مولانا مفتی محمد شفیع‘ مولانا شبیر احمد عثمانی‘ مولانا انور شاہ کاشمیری اور مولانا عبداللہ غزنوی رحمہم اللہ جیسے علماء و فضلاء نہ سہی‘ ان کے علم کے حقیقی وارث تو موجود ہیں۔ حالات کی رفتار کو دیکھیں‘ حالات کا رُخ دیکھیں اور کشتی اسلام کو مخالف موجوں اور طوفانوں میں گھرا دیکھیں۔ استخارہ کریں‘ دعائیں کریں اور فراستِ مؤمنانہ سے کام لے کر اُمت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔ حکمت کا لفظ شاید ہمارے فقہی اثاثے میں اجنبی ہو اور یقیناً غیر مانوس ہے فقہی اصطلاح تو اجتہاد ہے۔ تو آمدم بر سر مطلب کہ موجودہ علماء و صلحاء اُمت کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے اور یمین و یسار اور ظروف و احوال کے مطابق بحر قرآن اور بحر علوم حدیث سے موتی نکال کر اسلام کے

(۱) ترمذی‘ عن ابی سعید رضی اللّٰہ عنہ

© rasailojaraid.com

دائمی اور ابدی دین ہونے کا ثبوت فراہم کرنا چاہئے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!

اُمت مسلمہ کے ناگفتہ بہ حالات پر نگاہ ڈالتے ہوئے ایک اور ثقیل اصطلاح جو ہمارے حافظے میں تو محفوظ ہے' ہمارے لٹریچر کا بھی حصہ ہے' ہماری زبان پر بھی ہے' مگر اس لفظ کا استعمال شاید کلمۂ کفر کہہ دینے کے قریب قریب شمار ہوتا ہے' وہ لفظ ہے مجدّد۔ یہ لفظ خود ہمارے آقا حضرت محمدﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا))(۱)

ماضی کے اکابرین میں مجددین کی فہرست ہے اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی کہلاتے ہیں اور مشہورِ عالم ہیں۔ تاہم یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ بات تو خیر کھینچا تانی کی بن جائے گی کہ اس وقت مجدد کون ہیں؟ تاہم پچھلی دو صدیوں میں ایک نہیں کئی حضرات اس مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ' تبلیغ میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سیاسی جدوجہد میں حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم ہیں۔ اس سلسلے میں دیگر اہم شخصیات نے بھی نہایت اعلیٰ اور وقیع کام کئے ہیں اور اُمت کی رہنمائی کی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جیسے ''مفقود الخبر شوہر کے انتظار کی مدت'' کے بارے میں اسلاف کی رائے سے ہٹ کر اجتہاد کیا اور مجتہدانہ شان سے فیصلہ دیا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ۱۹۴۶ء میں تحریک پاکستان کے حق میں اُمت کے مصالح کے پیش نظر فیصلہ دیا علماء نے بنارس کانفرنس میں آج اسی طرح اگر علماءِ حق کسی اجتہاد کے حق میں اتفاق پیدا کرلیں تو یقیناً آنے والے حالات کا رُخ اُمت مسلمہ کے حق میں بجانب خیر موڑا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم!

تتمہ

خلافت راشدہ کے مبارک دَور میں اموالِ باطنہ و اموالِ ظاہرہ کی شکلیں بہت محدود تھیں' جبکہ آج اکیسویں صدی میں اموالِ ظاہرہ کی شکلیں بے شمار ہیں اور اموالِ باطنہ بھی

---

(۱) ابوداود' مستدرک حاکم' عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ

© rasailojaraid.com

مختلف النوع صورتوں میں ممکن ہیں اور الحمدللہ کہ علماء حالاتِ حاضرہ سے باخبر ہوکر دین کی طرف سے عائد کردہ اجتہاد کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی سعی فرمارہے ہیں۔ اسی طرح ضرورت اس امر کی ہے کہ 'فی سبیل اللہ' کے لفظ میں جو توسع کی گنجائش ہے اسے کھولا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے دَورِ مبارک کے بعد اِن الفاظ کا مصداق 'غازی' سے بڑھا کر حاجی' اور دیگر امورِ خیر کو بھی محیط سمجھا گیا تھا' تو آج ہزار سال بعد تغیر حالات کے پیش نظر سبیل اللہ کی تشریح اور مصداق کو از سرِ نو کیوں متعین نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید میں تو ہر دَور کے لئے رہنمائی موجود ہے اور یقیناً ''**لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ**'' کے زیرِ عنوان علماء قرآن کے الفاظ کے اندر ہر قسم کے بدلے ہوئے حالات میں روشنی کی کرن رہنمائی کے لئے موجود پائیں گے۔

اسی زکوٰۃ ہی کے ضمن میں ابھی نہ معلوم اور کتنے دور آئیں گے اور علماء کو محنت کرکے اور خطا کا risk لے کر اجتہاد کرنا پڑے گا۔ ہمارے ماں باپ قربان ہوں حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے آج کے اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا ہے کہ مجتہد مخطی کے لئے بھی ایک حصہ ثواب کا یقینی ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ کی تائید و رہنمائی سے اجتہاد کما حقہ ہوگیا جیسا کہ مشیتِ خداوندی ہے' تو دوہرا ثواب ہوگا۔

مستقبل کے آنے والے ادوار میں سے شاید آخری دور دورِ خلافت (جو کہ ان شاء اللہ اب عالمی دور ہوگا) کا نقشہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھینچا ہے ان الفاظ میں جو کہ صحیح بخاری' باب وجوب الزکاۃ میں وارد ہوئے ہیں کہ قیامت سے قبل ایک وقت ایسا آئے گا کہ صدقہ دینے والا صدقہ لے کر پھرتا ہوگا اور کوئی وصول کرنے والا نہیں ہوگا کہ لوگ اس کے حاجت مند نہیں ہوں گے۔ (۱)

یہی وہ دور ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین وسعت پذیر ہوکر تمام روئے ارضی پر پھیل جائے گا (۲) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر وہ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کا کھانا دنیا میں بند ہو جائے گا۔ قتال فی سبیل اللہ (بھی چاہے تھوڑے عرصے کے لئے ہو) موقوف ہوجائے گا کہ تمام روئے ارضی پر اسلام غالب آ چکا ہوگا' کفالتِ عامہ کا نظام قائم ہوگا'

---

(۱) عن حارثۃ بن وھب رضی اللہ عنہ وعن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ

(۲) مسند احمد بن حنبل' عن المقداد رضی اللہ عنہ

(باقی صفحہ 64 پر)

© rasailojaraid.com

اسلام اور سائنس

قسط نمبر ۳

مذہب، فلسفے اور سائنس کے تطابق کی روشنی میں

زمین پر زندگی کا نظام الاوقات

تحریر: سید قاسم محمود

فرض کرو، ہماری زمین کی عمر ایک سال کے برابر ہے۔ اب اگر ہمیں یہ حساب لگانا ہو کہ زمین کی پوری تاریخ میں زندہ اشیا یہاں کس حساب کتاب سے آباد ہوئیں، تو اس کا نقشہ کچھ یوں ہوگا۔ یہ نقشہ ہم نے مؤرخ رچرڈ کیرنگٹن کی کتاب "History of the Earth" (زمین کی تاریخ) سے اخذ کیا ہے:

یکم جنوری تا ۳۱ راگست (ابتدائی آٹھ ماہ تک زمین پر زندگی کے کوئی آثار نہ تھے)
یکم ستمبر تا ۳۱ راکتوبر (زندگی کے بالکل ابتدائی آثار اور نمونے ظہور میں آئے، بیکٹیریا وغیرہ)
یکم نومبر تا ۷ ردسمبر (حشرات، مچھلیاں، پرندے اور رینگنے والے جانور)
۸ ردسمبر تا ۳۰ ردسمبر (دودھ پلانے والے جانوروں کا ظہور)
۳۱ ردسمبر (آدھی رات کو پونے بارہ بجے آدمی کا ظہور۔ بارہ بجنے میں ایک منٹ پر تحریری تاریخ کا آغاز۔

کائنات کی تخلیق

اب تک حاصل شدہ انسانی علم اور کائنات کی تخلیق کے بارے میں جاری نظریے (بگ بینگ) کے مطابق زمین کی عمر تقریباً ساڑھے چار ارب سال بتائی جاتی ہے۔ خود زمین کائنات کا ایک معمولی اور چھوٹا سا نقطہ ہے، جیسے ایک ہمہ وقت پھولتے، پھیلتے، بہت بڑے غبارے پر ایک بھوری چیونٹی۔ کائنات کی عمر کا ابھی اندازہ نہیں ہوسکا، البتہ کائنات اور زمین کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں جو آیات، نشانیاں اور اشارے دیئے گئے ہیں ان

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co